R. No. 2186/57 Regd. No. L. 922.

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

Date 1-8-15-22

Phone—29
Annual Rs. 4/-
per Copy-12

جلد ۲۶ - شمارہ ۴۲۵ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۸ نومبر ۱۹۶۷ء

اداریہ

انقلابِ روس کی طلائی جوبلی

دنیا نے بہت سے انقلاب دیکھے ہیں مگر ۷ نومبر ۱۹۱۷ء کو لینن کے ہاتھوں روس میں جو انقلاب ہوا وہ اپنی معنویت کی وجہ سے دوسرے انقلابات پر فوقیت رکھتا ہے۔ اس کی طلائی جوبلی آج ماسکو میں منائی جا رہی ہے اور ساری دنیا میں عوام کے ہمدرد، انسانیت کے بہی خواہ اور پس ماندہ لوگوں کو اوپر اٹھانے والے، اس انقلاب کی یاد منا رہے ہیں اور اس کے اثرات کا جائزہ لے رہے ہیں۔

یہ انقلاب کوئی اتفاقی امر نہیں تھا۔ اس کے لیے لینن اور اس کے ساتھیوں نے بڑی سوجھ بوجھ اور دانشمندی اور عملی صلاحیت کا ثبوت دیا تھا۔ اس انقلاب کی وجہ سے تمام غلام قوموں کو آزادی حاصل کرنے کا نیا ولولہ ملا۔ ایشیا اور افریقہ کی بیداری میں اس انقلاب کا بڑا حصہ ہے۔ اس انقلاب نے مزدوروں اور کسانوں کو متحد ہو کر اپنے حقوق کے لیے لڑنا سکھایا۔ اس نے ہر قسم کی تفریق کی مذمت کی اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کے لیے زیادہ سے زیادہ وسائل مہیا کرنے پر زور دیا۔ اس نے نوآبادیاتی نظام پر کاری ضرب لگائی۔ اس نے فسطائیت کے آسیب کا کامیابی سے مقابلہ کیا۔ اس نے رنگ اور نسل اور جارحانہ قومیت کی حد بندیوں کو توڑا۔ اس نے ہر پس ماندہ علاقے کو ترقی دی اور ہر زبان کو پھلنے پھولنے کا موقع دیا۔ اس نے کتنے ہی تاریک گوشوں میں روشنی کی کرنیں پھیلائیں اور کتنے ہی ویرانوں میں پھول کھلائے۔ اپنے جوش میں یہ خون کے دریاؤں سے بھی گزری۔ اسٹالن کے دور میں اس نے بڑے مظالم کیے، اس نے عوام کا معیار زندگی بڑھانے کی خاطر خیال اور اظہار پر پابندیاں بھی لگائیں، مگر انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ مجموعی طور پر اس نے انسانیت کو جو کچھ دیا ہے اس کا کھلے دل سے اعتراف کیا جائے اور دنیا میں حقیقی اور پائدار امن کے قیام کے لیے اس کی جو پُر خلوص جد و جہد رہی ہے اسے ہر طرح تسلیم کیا جائے۔

اس انقلاب کا سہرا دراصل لینن کے سر ہے۔ لینن صرف ایک انقلابی رہنما ہی نہیں، بہت بڑا مدبر، معمار اور منتظم بھی تھا۔ اس لیے ساری دنیا آج اُسے خراج عقیدت پیش کر رہی ہے۔

ہندوستان انقلاب روس سے بہت جلد متاثر ہوا۔ ہندوستان کے کتنے ہی انقلابی افغانستان کے راستے سے روس پہنچے اور انھوں نے ایک سوشلسٹ سماج کی تشکیل کا عمل اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اقبال نے ۱۹۲۲ء میں جب خضر راہ لکھی تو اردو شاعری کی تاریخ میں سب سے پہلے ان ولولہ انگیز اشعار میں آنے والے دور کی بشارت دی۔

بندۂ مزدور کو جا کر مرا پیغام دے — خضر کا پیغام کیا، ہے یہ پیام کائنات
اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دار حیلہ گر — شاخ آہو پر رہی صدیوں تلک تیری برات
دست دولت آفریں کو مزد یوں ملتی رہی — اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکات
نسل، قومیت، کلیسا، سلطنت، تہذیب، رنگ — خواجگی نے خوب چن چن کر بنائے مسکرات
مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار — انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات

اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

ٹیگور اور جواہر لال نہرو دونوں نے جب روس کی یاترا کی تو انقلاب روس کے اثرات کو دیکھ کر دنگ رہ گئے اور اس انقلاب کا خیر مقدم کیا۔ اس کے اثر سے جواہر لال نہرو نے آزادی کی جد و جہد کو سوشلزم کے لیے جد و جہد بنایا اور آج ہم نے جمہوریت اور سیکولرزم کے ساتھ سوشلزم کی منزل کو اپنا مطمح نظر بنا لیا ہے۔

ظاہر ہے کہ انقلاب کو درآمد نہیں کیا جاتا، ہر ملک کے حالات کے مطابق اور وہاں کی روح اور تہذیب اور تاریخ کے مطابق عالمی افکار و حوادث سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ ہندوستان کا سوشلزم ہندوستان کی روح کا ترجمان ہوگا، مگر اس سوشلزم کو لانے میں دوسرے ملکوں کے تجربوں، خصوصاً روس کے تجربات سے ہم بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ ہندوستان کی دوستی یوں تو سبھی ممالک سے ہے، مگر روس سے ہمارے تعلقات اس وجہ سے اور بھی گہرے ہیں کہ روس کو ہندوستان کی جمہوریت، اس کے سیکولرزم اور اس کی سوشلزم کی منزل سے ہمدردی ہے اور وہ اس کے استحکام کے لیے ہر طرح کی مدد بھی کرتا رہتا ہے۔ ہندوستان کی ناوابستگی (NON ALIGNMENT) اور امن عالم کے لیے اس کی کوششیں بھی روس کے نزدیک ہر لحاظ سے قابل قدر

ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روس سے ہماری دوستی روز بروز گہری اور پائدار ہوتی جاتی ہے اور اسی لیے ہماری وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی خاص طور پر ۷ر نومبر کی تقریبات میں شرکت کے لیے ماسکو گئی ہیں۔

۱۹۳۶ء میں کانگریس کے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے جواہر لال نہرو نے کہا تھا:

"اگر مستقبل امید سے معمور ہے تو یہ زیادہ تر سوویت روس اور اس کے کارناموں کی وجہ سے ہے اور مجھے یقین ہے کہ اگر کوئی عالمی حادثہ پیش نہ آیا تو یہ نئی تہذیب دوسرے ملکوں تک پھیلے گی اور ان جنگوں اور قحط کا خاتمہ کر دے گی جن کو سرمایہ داری ہوا دیتی ہے۔"

انھوں نے یہ بھی کہا تھا کہ:

"سوویت نظام ایک وسیع اور زندہ جمہوری بنیاد پر قائم ہے۔ روس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ مغربی سانچوں کے مطابق جمہوری ریاست نہیں ہے، اگرچہ اس کے عوام میں جمہوریت کا احساس دوسرے ملکوں سے زیادہ پاتے ہیں۔"

اسی لیے روسی جمہوریت کے تجربات ہمارے لیے بڑی اہمیت اور معنویت رکھتے ہیں، مگر ان سے فائدہ ہم اپنے طور پر ہی اٹھا سکتے ہیں۔ اس لیے ہم انقلاب روس کی اس طلائی جوبلی کو اور اس کے روح رواں لینن کی شخصیت کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں اور ایشیا اور افریقہ کے مسائل سے سوویت روس کی گہری دلچسپی اور امن عالم کے لیے اس کی جد و جہد کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

اعلان

غالب پر ڈراما کے لیے انعام

مرکزی غالب شتابدی کمیٹی نے طے کیا ہے کہ غالب پر ایک ڈراما لکھوایا جائے۔ بہترین ڈرامے پر ۵ ہزار روپے کا انعام دیا جائے گا۔ ڈراما تین سے پانچ ایکٹ تک کا ہو سکتا ہے۔ مسودہ بھیجنے کی آخری تاریخ ۳۰ر جون ۱۹۶۸ء ہے۔ مسودات کرنل بشیر حسین زیدی ایم۔ پی۔ ۶ راجندر پرشاد روڈ نئی دہلی کے پاس بھیجے جائیں اور اس سلسلے میں مزید معلومات ان سے حاصل کی جائیں۔ یہ ڈراما غالب کی صد سالہ برسی کے موقع پر پیش کیا جائے گا۔ (نامہ نگار)

ہندستانی ادیبوں کے تعارف پر مشتمل ساہتیہ اکادمی کی کتاب

نئی دہلی۔ ساہتیہ اکاڈمی ہندوستانی ادیبوں کا تعارف کرانے والی اپنی کتاب کا نظر ثانی شدہ دوسرا اڈیشن شائع کر رہی ہے۔ پہلے اڈیشن میں پانچ ہزار سے زائد ادیب شامل کیے گئے تھے۔ وہ اڈیشن ۱۹۶۱ء میں شائع ہوا تھا۔ ملک میں اپنی نوعیت کی یہ واحد تصنیف ہے اور لائبریریوں، ادیبوں اور طلبہ کے لیے وہ بھارتی ادیبوں کے بارے میں مکمل اطلاع فراہم کرنے کا ایک بیش قیمت ذریعہ رہی ہے۔ اس تصنیف میں انگریزی اور تمام بھارتی زبانوں کے ہندوستان کے مصنفین کی سوانح حیات اور ان کی تصانیف کی اطلاع فراہم کی گئی ہے۔

نظر ثانی شدہ اڈیشن تیار کرنے کے لیے اکاڈمی نے فرداً فرداً ادیبوں، انجمنوں اور انگریزی و بھارتی زبانوں کے ادیبوں کی جماعتوں سے تعاون کی درخواست کی ہے۔ متعلقہ اطلاعات کی دستیابی کے لیے اکاڈمی نے ایک انٹری فارم تیار کیا ہے جو اکاڈمی کے صدر دفتر نئی دہلی اور کلکتہ و مدراس میں علاقائی دفاتر سے درخواستیں موصول ہونے پر فراہم کیے جائیں گے۔ پہلے اڈیشن میں شامل شدہ اطلاعات میں تبدیلی یا اضافے کے لیے اکاڈمی اس اڈیشن میں شائع ہوئی اطلاع کو متعلقہ ادیبوں کے پاس بھیجا جا رہا ہے۔ جن ادیبوں کو چھپے ہوئے فارم یا شائع شدہ اطلاع موصول نہیں ہوتی انھیں اکاڈمی کے صدر دفتر یا علاقائی دفاتر سے رابطہ قائم کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے۔ (قائم)

جمیل جالبی کی کتاب "تنقید اور تجربہ" شائع ہو گئی

کراچی۔ پاکستان کے ممتاز ادیب جمیل جالبی کے تنقیدی اور ادبی مضامین کا مجموعہ "تنقید اور تجربہ" مشتاق بک ڈپو، نزد اردو کالج، شالڈن روڈ کراچی ۱ نے شائع کر دیا ہے اور قیمت ۸ روپے ۵۰ پیسے۔ اس کتاب میں ۲۲ مضامین شامل ہیں۔ جس میں عہد حاضر کے ادبی اور فکری مسائل کا احاطہ کیا گیا ہے۔ (اکرام احمد)

سوویت ادب کے مترجمین کی کانفرنس

ماسکو۔ سوویت ادب کے مترجمین کی بین الاقوامی کانفرنس ماسکو میں منعقد ہوئی۔ جس میں ۴۰ غیر ملکی مترجمین شریک ہوئے۔ وہ نئی سوویت ادبی تخلیقات پر اور ترجمہ کرنے کے جدید طریقوں پر بحث کریں گے (تاس)

دور آفریدی کے مجموعہ کلام "ویرانیاں" کی اشاعت

ادبی حلقوں میں اس اطلاع سے مسرت ہوگی کہ دور آفریدی کی غزلوں نظموں کا مجموعہ "ویرانیاں" کے نام سے عنقریب منظر عام پر آ رہا ہے۔ اس مجموعہ میں دور آفریدی کی شاعری کے متعلق ملک کے مشہور محقق و ناقد جناب امتیاز علی عرشی کی گراں قدر رائے شامل ہے۔

رام پور پبلشنگ سوسائٹی، بنگلہ آزاد خاں، رام پور، اسے شائع کر رہا ہے۔

اس کی قیمت تین روپے ہے

سید محفوظ الحسن

قطب مشتری اور ابواللیث صدیقی

قطب مشتری پر روشنی ڈالتے ہوئے ابواللیث صدیقی اپنی کتاب "تجربے اور روایت" میں رقم طراز ہیں :۔

"غرض ایک ہوشیار مصور شہزادے کی تصویر لے کر ملکوں ملکوں کا دورہ کرتا ہے اور بالآخر بنگالہ پہنچ کر محبوبہ کو ڈھونڈھ نکالتا ہے۔ وہاں نہایت چالاکی سے شہزادے کی تصویر دکھا کر شہزادی کو بھی اسی عشق بلاگیر کے سلسلے میں پھنساتا ہے۔ ادھر شہزادے کو اطلاع ہوتی ہے تو شادی کا پیغام بھیجا جاتا ہے۔ مشتری کا باپ انکار کرتا ہے تو شہزادہ ایک فوج لے کر روانہ ہوتا ہے۔ راستے میں عجیب عجیب مناظر اور مراحل پیش آتے ہیں۔ وحشت ناک صحراؤں سے گزرنا ہوتا ہے۔ عفریتوں اور اژدہوں سے لڑنا پڑتا ہے اور شہزادہ لشکر ظفر موج کو لیے بنگال جا پہنچتا ہے پہلے لڑائی کی صورت نظر آتی ہے لیکن وزیر دانا ہے اس کی صلاح سے مراحل آسانی سے طے ہو جاتے ہیں اور شہزادہ اپنی محبوبہ کو دلہن بنائے دکن واپس لوٹتا ہے۔ یہاں اس کا باپ تاج و تخت اس کے حوالہ کرتا ہے اور شہزادہ داد عیش دیتا حکومت کرتا ہے۔"

ابواللیث صاحب نے جو قصہ قطب مشتری کا بیان کیا ہے اس قصے کا وجود "قطب مشتری" میں نہیں ملتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یا تو موصوف نے کتاب پڑھی نہیں یا اگر پڑھی ہے تو وہ بھول گئے ہیں اور دو قصوں میں خلط ملط ہو گیا ہے اور انھیں یاد نہیں رہا کہ کیا لکھ رہے ہیں اور کیا لکھنا چاہیے۔ بہرحال، ابواللیث صاحب نے جو قصہ پیش کیا ہے اس میں مندرجہ ذیل باتیں قابل لحاظ ہیں :۔

(۱) ایک ہوشیار مصور شہزادے کی تصویر لے کر ملکوں ملکوں کا دورہ کرتا ہے اور بالآخر بنگالہ پہنچ کر محبوبہ کو ڈھونڈھ نکالتا ہے۔

(۲) نہایت چالاکی سے شہزادے کی تصویر دکھا کر شہزادی کو بھی اس عشق بلاگیر کے سلسلے میں پھنساتا ہے۔

(۳) شہزادے کو اطلاع ہوتی ہے اور شادی کا پیغام بھیجتا ہے۔

(۴) مشتری کا باپ انکار کرتا ہے۔

(۵) شہزادہ فوج کشی کرتا ہے۔

(۶) لڑائی کی صورت نظر آتی ہے لیکن وزیر دانا ہے اس کی صلاح سے مراحل آسانی سے طے ہو جاتے ہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ یہ تمام باتیں عدم واقفیت اور عدم مطالعہ کی گواہ ہیں۔ نہ تو ہوشیار مصور شہزادے کی تصویر لے کر باہر جاتا ہے اور نہ چالاکی سے تصویر دکھاتا ہے، نہ شہزادہ شادی کا پیغام بھیجتا ہے نہ مشتری کا باپ انکار کرتا ہے (مشتری کا باپ بھی ہے یا نہیں قصے میں اس کا پتہ نہیں چلتا، صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ مشتری اور زہرہ دو بہنیں ہیں جو بنگال میں رہتی ہیں ان میں مشتری بڑی ہے اور وہی سلطنت بنگالہ کی ملکہ ہے۔ اس کی ایک دائی ہے جس کا نام مہرو ماں ہے جو ماں کے برابر ہے) نہ شہزادہ فوج لے کر جاتا ہے اور نہ مشتری کا کوئی وزیر ہے جس کے باعث جنگ صلح میں بدل جاتی ہے۔

مولوی عبدالحق صاحب نے قطب مشتری کا جو قصہ لکھا ہے وہ اس طرح ہے :۔

"اس مثنوی میں سلطان محمد قلی قطب شاہ بادشاہ گولکنڈہ کے عشق کا حال ہے قصہ وہی قدیم طرز کا ہے یعنی محمد قلی قطب شاہ کے باپ سلطان ابراہیم قطب شاہ کے کوئی بیٹا نہ ہوتا تھا۔ آخر بیٹا ہوا، بڑی خوشیاں منائی گئیں داد و دہش کی گئی۔ ایک روز خواب میں ایک نازنین کو دیکھا، اس پر عاشق ہو گئے۔ اب جو آنکھ کھلی تو نظروں میں وہی سماں تھا۔ روز بروز حالت خراب ہونے لگی بہت کچھ سمجھایا، کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر اپنے ایک مشیر عطارد مصور کو ساتھ لے کر پورے ساز و سامان کے ساتھ اس نازنین کی تلاش میں نکلے۔ رستے میں بڑی بڑی مصیبتوں اور آفتوں کا سامنا ہوا۔ غرض اس ہفتخواں کو طے کر کے بنگالہ پہنچے ہیں جہاں کی وہ رہنے والی تھی۔ دونوں میں محبت ہو جاتی ہے اور شاہزادے صاحب اسے لے کر گولکنڈہ آتے ہیں جہاں بڑے دھوم دھام سے شادی ہوتی ہے۔"

مزید ثبوت کے لیے چند اشعار قطب مشتری سے درج ذیل ہیں۔

عجب ایک اس وقت پر مرد تھا　　ہنرمند عاقل جہاں گرد تھا
دنیا کے اپیں بندے آزاد ہو　　پھرے شرق تا غرب لگ لگ دھم
کدھیں روم میں تھا کدھیں شام میں　　کہ استاد تھا وہ ہر ایک کام میں

.. ..

جہاں خوب جیو شکل دیکھے سندر　　لکھے نقش اس کا و نقاش کر

.. ..

یوں نقاش کی شہ خبر پاکے کر　　اسے اپنے خلوت میں لیا سے کر
کہے تو جو دیکھا جتیاں سندریاں　　سکھیں چھبیلیاں چھند بھریاں
تجھے کون آنکھیاں میں خوش آئی ہے　　تجھے کون کہ سندری بھائی ہے

.. ..

سنے ملک دیکھیا ہے کوئی نار　　نہ دیکھیا کہیں مشتری نار سا
اگر اس سکی کا تجھے آس ہے　　تو اس کی صورت اب میرے پاس ہے
اگر تو منگے گا تو میں لاؤں گا　　تجھے اس کی صورت سو دکھلاؤں گا

غرض تصویر دیکھنے کے بعد شہزادہ عطارد کے ساتھ خود مشتری کی تلاش میں نکلتا ہے۔ ایک جگہ پہنچ کر سالکین پہنچا کے یہاں مقیم ہوتے ہیں وہاں سے عطارد تنہا مشتری کو رام کرنے کے لیے نکلتا ہے اور اس کے

(بقیہ صفحہ ۸ پر)

دیویندر پرشاد سکسینہ بد (یوپی)

پنڈت تربھون ناتھ زتشی زار دہلوی

پنڈت تربھون ناتھ زتشی زار دہلوی ایک اعلیٰ کشمیری برہمن خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ۱۸۸۳ء میں میرٹھ میں پیدا ہوئے جہاں ان کے دادا پنڈت کیدار ناتھ کلکٹری میں ایک اعلیٰ عہدہ پہ مامور تھے۔ زار صاحب کی ابتدائی تعلیم سیتا رام بازار دہلی کے ایک مکتب میں ہوئی۔ اس کے بعد مولوی رحیم بخش سے شاہ جی کے چھتے کے مدرسے میں تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد اپنے چچا کے پاس پٹیالہ تشریف لے گئے اور مہندر کالج میں داخل ہو گئے بعد ازاں لاہور گورنمنٹ کالج میں تعلیم کو مکمل کیا۔ ملازمت کے ابتدائی زمانے میں، اگزامینر آف اکاؤنٹس لاہور میں اکاؤنٹینٹ رہے اور سول انجینئرنگ کالج گجرات پنجاب میں لیکچرار آف اکاؤنٹس مقرر ہوئے لیکن یہاں ایک انگریز افسر سے ہندوستانی قوم کی توہین آمیز تضحیک پہ آپ نے ملازمت کو خیرباد کہہ دیا، اور اپنے وطن دہلی میں آ گئے اور یہاں ۱۹۲۲ء سے ۱۹۵۲ء تک تقریباً ۳۰ سال تک اندر پرستھ کالج برائے خواتین میں اردو اور فارسی شعبوں کے صدر رہے۔ ۱۹۵۳ء میں حکومت ہند نے آپ کی ادبی خدمات کے صلے میں آپ کا وظیفہ مقرر کر دیا تھا اور یہ پیش کش آپ نے قبول کر لی تھی۔ ۸۰ سال کی عمر میں ۹ اکتوبر ۱۹۶۵ء کو شام کے چار بج کر چالیس منٹ پر بزم دہلی کا یہ چراغ بجھ گیا۔ منشی گوپی ناتھ امن لکھنوی کا قطعۂ تاریخ وفات حسب ذیل ہے :-

آں بہ رنگے گل آخر ز گلستان داغ — رفت وی بود ز بستان عزل اطہر بہار
خبر رحلت زار از لب گلزار رسید — سال ہجری بہ نوشتیم۔ عجم قبلۂ زار

۱۳۸۵ھ

زار صاحب اردو اور فارسی کے جید عالم تھے اور ان کا شمار ہمارے اساتذۂ سخن میں ہوتا ہے۔ وہ ہماری ہندوستانی تہذیب کی بہترین مثال تھے۔ انھوں نے ہندو مذہب کی تین گیتاؤں کا ترجمہ اردو میں منظوم کیا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ اردو اور فارسی میں بے شمار اشعار کہے لیکن ان کی کوئی کتاب ان کی حیات میں شائع نہ ہو سکی۔ زار صاحب کے صاحبزادے گلزار دہلوی جو اپنے والد کے صحیح وارث اور دہلوی کلچر کے تہذیبی ورثہ کے امانت دار ہیں ان کا فرض ہے کہ ان کی حیات اور شاعری پہ ایک مفصل کتاب شائع کریں جس میں ان کا انتخاب کلام بھی شامل ہو۔

زار صاحب مرزا داغ دہلوی کے دور اول کے شاگردوں میں سے تھے۔ تلامذۂ داغ میں اردو زبان و ادب کی جو بیش بہا خدمات انھوں نے انجام دی ہیں ان کو کسی طرح فراموش نہیں کیا جا سکتا لیکن پروفیسر نفیس سندیلوی نے "نگار" "داغ نمبر" ۱۹۵۳ء میں "داغ کے مشہور تلامذہ" پر ایک مقالہ لکھا ہے اس میں ان کا ذکر نہیں کیا حالانکہ اس مقالہ میں بعض ایسے حضرات کا ذکر کیا ہے جو داغ کے شاگرد نہیں تھے جیسے جگر مرادآبادی اور سیماب اکبرآبادی۔ زار صاحب کی شاعری کا رنگ کلاسیکل تھا اور زبان و بیان پہ پوری قدرت حاصل تھی۔ ۱۹۲۲ء تک ان کا پورا کلام داغ کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے اس کے بعد کے کلام میں تصوف اور ویدانت کا رنگ جھلکتا ہے۔ آپ کے کلام کے سلسلے میں گلزار دہلوی کی رائے ملاحظہ فرمائیے :-

"آپ کی شاعری میں ایک طرف فصاحت و روزمرہ سہل ممتنع دلی کی ٹھیٹھ ٹکسالی بولی اور داغ و مومن کا رنگ نمایاں نظر آتا ہے اور رعایت لفظی جیسی بندش حسین تراکیب کے زیوروں سے آپ کا کلام مزین و آراستہ ہے تو دوسری طرف فلسفے کے ادق مضامین عربی فارسی کے علوم، اصطلاحیں، بلاغت اور قرآن و احادیث کی تفسیر اور ایک صوفی کا دل اور ایک عالم کا دماغ بھی جلوہ افروز اور درخشاں نظر آتا ہے"

حضرت جوش ملسیانی کی رائے آپ کے کلام کے سلسلے میں یہ ہے :-

"اگرچہ داغ کا خاص رنگ ان کے کلام میں کم ہے اور اس کی بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ وہ پنڈت امرناتھ ساحر پنڈت دینا ناتھ ہجر اور شور دہلوی ہی کی صحبت کا اثر قبول کرتے رہے۔ ان ہی بزرگوں کی صحبت کا یہ نتیجہ ہے کہ زار صاحب بھی ان کی طرح متصوفانہ کلام اور متصوفانہ زبان ہی کے دلدادہ اور زندگی بھر اس خصوصیت کے علمبردار رہے۔ اس کے باوجود یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ وہ دہلی کی صحیح زبان کے نمائندہ تھے۔ ان کی وفات کے بعد اب کوئی ہم کو ایسا دہلوی نظر نہیں آتا جسے حضرت داغ کی زبان کا نمائندہ کہہ سکیں"

لگی انگڑائیاں لینے جوانی — نہ آنچل کی نہ دامن کی خبر ہے
نہیں آنکھوں میں لیکن کی سماتا — بڑی اونچی تری نیچی نظر ہے
کمائی عمر بھر کی زار اپنی — یہی دے دے کے اک دم بھر رہے

آج جس کعبہ پہ اترا تا ہے مومن تجھے — بات کل کی ہے شمار اس کا صنم خانے میں تھا

فتنہ پرداز، ستم گار، جفا جو، قاتل — تو نے وہ فتنے اٹھائے ہیں کہ جی جانتا ہے

وہ تصور میں ہے پیش نظر آٹھوں پہر — کھینچ لا اے دل کو خلوت سے جلوی محفل میں ہم

مٹ گیا نقش صفا او دل پہ چلا کورا — فارغ البال تمنا قلب شیدائی ہوا

(بقیہ صفحہ ۸ پر)

حسن شہید

آگ کے پھول

(۱)

تم میرے دل کی آگ میں جل رہی ہو
میں مسکرا رہا ہوں
میری آگ میرے دل میں کتنی خوبصورت ہے
تم نہیں جانتی ہو
تم نہیں جانتی ہو
کہ میں کس آگ میں جل رہا ہوں
یہ روشنی کے ٹوٹے ہوئے منارے انسان کے دل کی دھڑکن ہیں
اس آگ میں صدیاں بیتی ہیں —— جلتے جلتے
اور آج میں اپنی آنکھوں میں کروڑوں صدیوں کو جاگتے ہوئے دیکھ رہا ہوں
کروڑوں انسانوں کے دل کی آواز مجھے آواز دے رہی ہے
مجھے بلا رہی ہے

(۲)

ہمارا یُگ ایک خوبصورت یُگ ہے
جس میں آگ کے پھول کھلے ہیں
اور ماتھے پہ سیندور کی بندی مسکرا رہی ہے
لوگوں کی آنکھوں میں ایک نیا جادو ہے
ایک نیا خواب آنکھیں کھول رہا ہے
ایک نیا یُگ مسکرا رہا ہے

رؤف خیر

نذرِ فانی

ضبط کی پلکوں کی رونق،
حسنِ تہذیبِ حیات،
صدیوں کے کرب کا حاصل،
تمنائے شکستِ بازگشت

سرحدِ شب پہ سسکتا اک دیا،
جرأتِ تیرہ شبی پر خندہ زن،

وقت کے بے رحم و بے حس اندھے دلدل کا کنول،
ہنس رہا تھا زیرِ لب بے دردئ ماحول پہ
وہ کنول
وہ اشک
اور وہ نیند سے بوجھل دیا
رات کی ہچکی ابھی ٹوٹی نہ تھی کہ بجھ گیا

انیس انور

مکتوبِ لندن

کینٹن - لندن
مورخہ ۲۵ راکتوبر

برمنگھم - ایک ہندوستانی مقیم ورشن سنگھ نے تارکین وطن کو انگریزی سکھانے کے لیے ایک کتاب تصنیف کی ہے جس میں فوٹو پرنٹ کے ذریعہ انگریزی کا ہر لفظ پنجابی۔ ہندی اور اردو میں لکھا ہوا ہے۔ ورشن سنگھ کو برمنگھم کے محکمۂ تعلیم نے محض اس بنا پر ملازمت دینے سے انکار کر دیا تھا کہ انھیں انگریزی زبان مقامی باشندوں کی طرح نہیں آتی۔ اب وہ ویسٹبری میں ٹیچر ہیں اور ان کا دعویٰ ہے کہ جو بچے اور بالغ انگریزی اچھی طرح نہیں جانتے اس کتاب کی مدد سے اس زبان کی تعلیم بطریقۂ احسن حاصل کر سکتے ہیں۔ آج کل یہ کتاب کافی مقبول ہو رہی ہے اور مڈ لینڈز کی متعدد لائبریریاں بھی اسے خرید رہی ہیں۔

لندن - ہفت روزہ 'مشرق' کا نیا شمارہ ۷ راکتوبر سے شیٹ روٹا پرنٹ مشین پر شائع ہونے لگا ہے۔ اب اس کے سائز میں بھی اضافہ کر دیا گیا ہے اور طباعت بھی پہلے سے عمدہ ہے۔ اسی طرح 'مشرق' کا 'آفاق' بھی بڑے سائز پر شائع ہوا ہے اور اس کی کتابت اور طباعت کا معیار بھی کافی بلند ہو گیا ہے۔ لیکن 'ایشیا' اب تک پرانے سائز پر شائع ہو رہا ہے گو اس کی طباعت بھی بذریعہ آفسیٹ ہوتی ہے۔ امید ہے یہ ہفت روزہ بھی اس میدان میں دوسروں سے پیچھے نہیں رہے گا۔ ایشیا کے تازہ شمارہ میں ایک انعامی مضمون کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔ عنوان یہ ہے "کیا آپ کے خیال میں مغربی عورت اچھی بیوی ثابت ہو سکتی ہے؟"

برمنگھم - مورخہ ۲۵ راکتوبر - برمنگھم یونیورسٹی ۱۹ ر تا ۲۶ ر نومبر 'پیپل ٹو پیپل' People to People کے نام سے ایک ہفتہ منا رہی ہے اور ۱۹ ر نومبر کا دن دنیا کے بڑے بڑے مذاہب سے لوگوں کو روشناس کروانے کی غرض سے مقرر کیا گیا ہے اس مجلس میں مختلف مذاہب پر لٹریچر پیش کیا جائے گا۔ اور بدھ مت - یہودیت - عیسائیت - ہندوازم اور سکھ مذہب کے نمائندے شرکت کر رہے ہیں مگر اسلام کی نمائندگی کے لیے کسی کو مدعو نہیں کیا گیا ہے۔ ویسے اس یوم مذاہب میں تمام عقائد اور مذاہب سے تعلق رکھنے والوں کو شرکت کی عام اجازت ہے۔ یہاں ایک نمائش کے ذریعہ دنیا کے مختلف مذاہب کے بارے میں لٹریچر پیش کیا جائے گا۔

مراسلات

جواب استفسار

یکم اکتوبر کے ہماری زبان میں استفسارات کے سلسلے میں یہ دریافت کیا گیا ہے کہ یہ شعر کس کا ہے :-

تم نہ آئے تو کیا سحر نہ ہوئی　　ہاں مگر چین سے بسر نہ ہوئی

مجھ کو یہ تو معلوم نہیں کہ یہ شعر کس کا ہے، مگر یہ معلوم ہے کہ اس شعر میں جس شعر کی صورت بگاڑی گئی ہے وہ کیا ہے؟ اور اس کا مصنف کون ہے۔ ایک زمانہ میں یہ شعر ہر زبان پر تھا۔

وصل کی رات کٹ گئی شب ہجر　　تم نہ آئے تو کیا سحر نہ ہوئی

کسی نام نہاد شاعر نے اس شعر کا دوسرا مصرع لے کر اور اس کے ساتھ ایک پھسپھسا مصرع جوڑ کر مطلع بنا لیا ہے، جو اصل شعر سے کوئی نسبت نہیں رکھتا۔

اس ضرب المثل شعر کے مصنف شیخ امداد علی یاور بریلوی ثم لکھنوی ہیں جو شاگرد تھے شیخ ناسخ کے شاگرد رشید مولوی محمد بخش شہید سندیلوی ثم لکھنوی کے۔

شہید اور یاور کے بارے میں مزید معلومات کے لیے میرے مضامین ذیل ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں :-

شہید لکھنوی ـــــ شاعر اردو، الہ آباد۔ جولائی ۱۹۳۲ء

یاور لکھنوی ـــــ شاعر آگرہ، دسمبر ۱۹۳۳ء

(سید مسعود حسن رضوی ادیب)

کچھ لوریوں کی تلاش کے سلسلے میں

۸ اگست ۶۷ء کے "ہماری زبان" میں سید انیس صاحب کا مراسلہ نظر سے گزرا تھا اور اب ۱۵ اکتوبر ۶۷ء کے ہماری زبان میں قیصر جہاں صاحبہ کی تحریر پڑھی۔ ایسا تو نہیں ہے کہ اردو میں لوریاں نہ لکھی گئی ہوں، ہاں بدقسمتی سے لوریوں کو غیر اہم سمجھا گیا اور انھیں جمع نہیں کیا گیا۔ سید انیس صاحب کی کوشش لائق ستائش ہے۔

میرے جد امجد علامہ سیماب اکبرآبادی نے آگرہ کے ایک پبلشر کی فرمائش پر "لوری نامہ" لکھا تھا۔ یہ چالیس سال پہلے ۱۹۲۴ء یا ۱۹۲۵ء کی بات ہے۔ یہ لوری نامہ ۱۶ صفحات پر الیکٹرک ابوالعلائی پریس آگرہ نے چھاپ کر شائع کیا تھا۔ اس کتابچہ کا سرورق دو رنگا ہے اور اس پر مندرجہ ذیل عبارت لکھی ہوئی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مجموعہ

لوری نامہ

یعنی

بچوں کو بہلانے اور سلانے کے لیے دلکش لوریاں

مصنفہ

ایس عاشق حسین صاحب سیماب اکبرآبادی

باہتمام ایس ریاض الدین عفا عنہ

الیکٹرک ابوالعلائی پریس آگرہ

اس میں اٹھارہ لوریاں ہیں۔ یہ مسلمان بچوں کے لیے لکھی گئی ہیں۔ ان کی بحریں رواں دواں اور دلکش ہیں۔ زبان آسان اور شیریں ہے۔ خیالات تہذیبی، اخلاقی اور تعمیری ہیں، ان میں معصومیت اور حلاوت ہے۔ لوری ۱ اور لوری ۱۵ یہاں نقل کر رہا ہوں۔

لوری نمبر ۱

سو جا میرے راج دلارے　　سو جا اے آنکھوں کے تارے
سو جا اے نیندیا کے مارے　　سو جا میرے بھولے بھالے
ننھا ہے میرا ہریالا　　دل کا نور اور گھر کا اجالا
ننھا میرا سوئے حویلی　　ہے سب کا اللہ بیلی
سوئے ننھا بھولا بھالا　　اور جاگے اللہ تعالیٰ
گورے گالوں والے سو جا　　بھورے بالوں والے سو جا
نیند پلک میں بھول پڑے　　ننھا میرا جم جم سوئے

لوری ۱۵

چڑیو، نہ غل مچانا　　سوتا ہے میرا ننھا
یہ ہے بڑا بہادر　　یہ ہے مرا بہادر
توپیں چلائے گا یہ　　تلوار اٹھائے گا یہ
گھمسان میں لڑے گا　　میدان جیت لے گا

یہ ہے بڑا بہادر
یہ ہے مرا بہادر

ہے اس کے دل میں ہمت　　دی ہے خدا نے طاقت
ڈرتا نہیں کسی سے　　یہ ماسوا خدا کے
ہے جوش اس کے دل میں　　رو پوش اس کے دل میں
یہ صف شکن بنے گا　　نپولین بنے گا

یہ ہے بڑا بہادر
یہ ہے مرا بہادر

ہے نیک اس کی فطرت　　آزاد ہے طبیعت
جب یہ جوان ہو گا　　قوموں کی جان ہو گا
عزت وطن کو دے گا　　رونق چمن کو دے گا
چڑیو، نہ غل مچانا　　سوتا ہے میرا ننھا

یہ ہے بڑا بہادر
یہ ہے مرا بہادر

علامہ سیماب اکبرآبادی کے دوسرے نظموں کے مجموعے "ساز و آہنگ" میں ایک خوبصورت لوری شامل ہے اس کا عنوان "ماں کی لوری" ہے۔ اس کے نیچے ۱۹۲۸ء درج ہے

علامہ سیماب کی اوریوں پر کسی نقاد کے قلم اٹھانے کی ضرورت ہے۔

(تاجدار احتشام صدیقی، بمبئی)

کیا بود و باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو

"کیا بود و باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو" وہ مشہور و معروف قطعہ ہے جس کے متعلق میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ خدائے سخن میر تقی میر کے علاوہ یہ کسی اور کا بھی ہو سکتا ہے۔ اس قطعے کی مقبولیت کا یہ حال ہے کہ ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ کے طلباء بھی میر کی مختصر سوانح حیات لکھتے وقت اس کا حوالہ ضرور دیتے ہیں۔ مولانا محمد حسین آزاد نے اسی قطعے کی بنیاد پر ایک دلچسپ خاصہ قصے کا محل کھڑا کر دیا ہے دور کیوں جائیے ابھی حال ہی علی عباس حسینی صاحب کا ایک فسانہ نما مضمون میر کے لکھنؤ آنے کے بارے میں ماہنامہ "آجکل" دہلی میں شائع ہوا تھا جس کی ادبی حلقوں میں کافی ستائش کی گئی۔ اس میں بھی مذکورۂ بالا قطعے کا ذکر تھا لیکن مولوی عبدالحق مرحوم کے ایک مراسلے نے مجھے حیرت میں ڈال دیا جس میں انھوں نے تحریر فرمایا ہے کہ یہ قطعہ میر تقی میر سے غلط منسوب کر دیا گیا ہے۔ اصل میں اس کے خالق مصحفی ہیں۔ بابائے اردو نے یہ خط مولوی سخاوت مرزا صاحب کو لکھا ہے جو مکتوبات عبدالحق "مرتبہ جلیل قدوائی" میں شامل ہے۔ متعلقہ عبارت درج ذیل ہے:-

> "بات یہ ہے کہ جب ایک شخص نے (اور وہ بھی اگر معتبر ہے) کوئی بات لکھ دی تو سب اُسے بغیر تحقیق کے نقل کر دیتے ہیں۔ ایسی کئی مثالیں ہیں مثلاً وہ قطعہ جو میر تقی میر سے منسوب ہے۔ کیا بود و باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو۔ دلی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب۔ ہم رہنے والے ہیں اسی اجڑے دیار کے۔ میر صاحب کے کلام میں کہیں نہیں پایا جاتا۔ اور جو قصہ آزاد نے اس ضمن میں لکھا ہے وہ بھی غلط ہے۔ اصل میں یہ قطعہ مصحفی کا ہے۔ صرف الفاظ میں کچھ ردو بدل کر دیا گیا ہے۔"

محققین ادب سے درخواست ہے کہ براہِ کرم اس مسئلے پر روشنی ڈال کر میری حیرت اور الجھن کو رفع کر دیں خاص طور پر میں مصحفی کے اس قطعے کو دیکھنے کا شدت سے خواہشمند ہوں جس کی طرف بابائے اردو نے اپنے مکتوب میں اشارہ کیا ہے اور جو باوجود تلاش بسیار کے مجھے دستیاب نہیں ہو سکا۔

(اختر بستوی)

کچھ ہمزہ کیوں ہ کے بارے میں

ایک سے زیادہ بار یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اردو ملّا آغا خلش کاشمیری کی اکتسابی زبان ہے۔ اس کی ساری شدبد اس صرف اور اس نحو کے طفیل میں ہے جسے بھارتی حکومت نے اسکولوں کے نصاب میں رکھ چھوڑا تھا۔ اس پر بھی ہماری زبان (علی گڑھ) مورخہ ۲۲ میں کسی میرے کرم فرما محبوب عالم صاحب فریدی نے مجھے ہدفِ سہامِ مطاعن بنانے کی نیو ڈالی ہے۔ میں نے کسی وقت عالی جناب ڈاکٹر گوپی چند جی نارنگ کی ہم خیالی سے انحراف کیا تھا جس کی پاداش میں محبوب عالم صاحب فریدی نے "کچھ" ہمزہ کیوں "کے بارے میں" یہ مضمون لکھ کے فرمایا ہے: "آغا خلش صاحب نے صرف پہلی قسط پڑھی تھی اور بات کو پوری طرح سمجھا ہی نہیں تھا کہ اپنی رائے کا اظہار کر دیا۔ چنانچہ ان کے بیشتر خیالات غلطی اور غلط فہمی پر مبنی ہیں کیونکہ وہ مقالہ نگار کے نقطۂ نظر کو خود پوری طرح نہیں سمجھ سکے۔"

محبوب عالم صاحب فریدی پر اس وضاحت کے بعد کہ آغا خلش کاشمیری غلط اور اغلاط کے سلسلے میں آپ کی غلطی یا غالب مرحوم کی غلطیہائے نک سے محتاط رہتا ہے۔ مندرجہ بالا طعن میں آپ کے خارا شگاف خامہ سے ٹپکا مرکب بصورت "نقطۂ نظر" دیکھنے کے بعد لمحہ بھر کے لیے یہ خیال ضرور بیدار ہوا کہ جس صورت میں فریدی صاحب "نکتۂ نظر" اور "نقطۂ نظر" میں امتیاز سے کورے ہیں ان کے جواب میں خاموشی بہتر ہوگی۔ لیکن معاً یہ خیال بھی ابھرا کہ میری طرح سے دوسرے کم علم دوست بھی غلط وکالت سے مجروح نہ ہوں میں نے عالی جناب گوپی چند جی نارنگ کے اجتہاد کو خشتِ اول کی کجی پر محمول کیا تھا کہ تا ثریا دیوار ٹیڑھی نہ جائے۔ اب فریدی صاحب کے فرمودہ "جدید ترین اصولوں کی روشنی میں" نے مجھے اپنا مقام ضرور دکھائی دیا اور زندگی میں پہلی بار "جدید ترین اصولوں" سے منہ کی کھانا پڑی۔ یہ جانے بغیر کہ جدید ترین اصول کس ادبی بیماری کا نام ہے میں محبوب عالم صاحب فریدی سے پوچھنے کی ضرورت محسوس کرتا ہوں کہ ان کے بیان کردہ جدید ترین اصولوں کے واضعین کے نام کیا کیا ہیں اور کس مدت یا کتنی مدت میں یہ جدید ترین اصول بنائے گئے۔ اصول کے تحت "نکتہ" بایدو شاید "نقطہ" کا مفہوم ادا کر دیا کرتا تھا فریدی صاحب نے نقطہ "نکتہ" کے بدلے میں کون سے جدید ترین اصولوں کی آڑ میں لکھا ہے۔ خیر یہ جملہ معترضہ ہے۔ آمدم برسرِ مطلب۔

میرے کرم فرما محبوب عالم صاحب فریدی نے نمبروار مجھے گھسیٹنے کی طرح ڈالی ہے۔ نمبر ۱ پر ارشاد ہے "ہمزہ کو اردو میں ہم بالکل دوسری طرح کی آواز کے لیے استعمال کر رہے ہیں" چہ خوب! کیا فریدی صاحب یہ بتانے کی زحمت گوارا فرمائیں گے کہ جرأت مسئلہ۔ ائمّہ۔ قرأت کا استعمال اردو زبان میں کسی دوسری صورت کے ساتھ ہے۔ نمبر ۲ پہ فرماتے ہیں "اردو نے ہمزہ کی جھٹکے والی خصوصیت کو برقرار نہیں رکھا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو ہمزہ اردو میں مصوتہ نہ ہو جاتا بلکہ عربی کی طرح مصمتہ ہی رہتا" جہاں تک جھٹکے والی خصوصیت کا تعلق ہے وہ تو نمبر ۱ میں دیے گئے الفاظ ہی سے ثابت ہے۔ رہا مصوتہ اور مصمتہ کا معاملہ تو میں فریدی صاحب

کے ان "جدید ترین اصولوں" کی روشنی حاصل کرنا چاہوں گا جو مضمون اور مصنف پر تفصیلی روشنی ڈال سکیں۔ عربی زبان کے پرانے کرم خوردہ اصول کا سہارا نہ لیں جو مجھ ایسے کم علم بلکہ بے علم کی میراث ہیں۔ نمبر ۳ جہاں دعوئیے میں ہمزہ کے جھٹکے کو "یہ غلط محض ہے" کہہ کر چھٹکارا پا رہے ہیں۔ دعوئے اور دعوئیے۔ آئے اور آئیے۔ لیجے اور لیجئے کے تلفظ میں اگر فریدی صاحب کے لیے کوئی امتیاز نہیں ہے تو مجھے سچ مچ خفت محسوس ہوگی۔ نمبر ۴ پر واولیز کے سہارے سے متعلق کرتے میرے کرم فرما محبوب عالم صاحب فریدی کا ارشاد ہے "ان کی نافہمی پر مبنی ہے لسانیات کی تمام بحثوں میں بین الاقوامی صوتیا رسم خط یعنی INTERNATIONAL PHONETIC ALPHABET استعمال کیا جاتا ہے" اگر گستاخی پر محمول نہ ہو تو میں بے علمی کی حد تک اپنی کم علمی کو رونا جائز سمجھتا ہوں کہ فریدی صاحب کے سوتیا ڈاؤں کی طرح سے ان کے صوتیا رسم خط کا مفہوم نہ جان سکا۔ نمبر ۵ پر فرماتے ہیں "یہ بیان سو فیصدی غلط ہے" جہاں تک میرا علم رہنمائی کرتا ہے صدی ہماری زبان میں سنچری کے معنی میں مستعمل ہے سنٹ پرسینٹ "کو سو کے بدلے میں صدی بنا دینا فریدی صاحب کے جدید ترین اصولوں کی روشنی میں جائز ہو سکتا ہے۔ نمبر ۶ پر علامت اضافت پر بحث کی گئی ہے۔ میں "ہماری زبان" کو تنازعات کا اکھاڑا بنانا پسند نہیں کرتا۔ اگر ادارہ ہماری زبان مجھے محبوب عالم صاحب فریدی کے ایڈریس سے آگاہ کر دے تو میں فریدی صاحب کے مضمون پر تفصیل سے رائے زنی کر کے "مصور بمبئی" میں شائع کر دوں گا اور پرچہ فریدی صاحب کی خدمت میں روانہ کر سکوں گا۔

(نیاز مآل آغا خلش کاشمیری)

استفسار کے جواب میں

کیم اکتوبر کے شمارے کے استفسار کے جواب میں،

اے چرخ کتنے خاک سے پیدا ہوئے حسیں
تو ایک آفتاب کو چمکا کے رہ گیا

یہ شعر فصاحت جنگ جلیل مانکپوری (استاذ آصف جاہ سابع، دکن) کا ہے۔

(ابن غوری، دکنی)

استفسار

براہ کرم مطلع فرمائیے کہ انگریزی لفظ مس (MISS) کا اردو میں ترجمہ کیا ہوگا۔ اس کا خیال رہے کہ میں نسخہ میں نام لکھنے سے پہلے مس یا کنواری لکھتا ہوں مگر میری نظر میں کوئی اردو کا لفظ نہیں آ جس کو میں مس فلاں یا کنواری فلاں کی جگہ پر رکھ سکوں۔

ڈاکٹر مسعود عالم

(مس یا کنواری دونوں استعمال ہوتے ہیں۔ آنسہ عربی لفظ پہلے استعمال ہوتا تھا۔ اب بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔ (ادارہ)

صفحہ ۳ کا بقیہ

محل میں نقش و نگار بنا کر مشتری کو قطب شاہ کا فریفتہ بنا تا ہے۔ اس کے بعد خود ہی مشتری اس سے ملنے کی ترکیب نکالنے کے لیے عطارد سے مشورہ کرتی ہے اور جب عطارد کا خط پا کر قطب شاہ بنگالہ جاتا ہے تو وہ خود اس کی پیشوائی کرتی ہے ؎

سلکھن چتر دھن چنچل گن ونتی — سو شہ عشق کے مدسوں پھولی ہوتی
کبھی کیا ہے تدبیر اس کی اتال — کہ شہ کیں تو اب ہائیں کر حال
دکھایا صورت جیوں تو تصویر کر — تو تو نیچ چلے اس کی تدبیر کر

.. ..

کہ میں سر سوں چل وان لگ جاؤں گی — اپی میں پیاں شاہ کو لاؤں گی
پہم جنگ کے جوت سونا گ پر — کہ طاؤس بیٹھا سنگر کا گ پر

.. ..

قطب سوں ملن مشتری دھن چلی — عطارد چتارے کو سنگات لی
پیا شہ سوں ملنے کہ خوش حال تھی — کہ خوشیاں سوں آپس میں مالی نہ تھی

مندرجہ بالا سطور سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ نہ تو قطب شاہ نے پیغام شادی بھیجا اور مشتری کے باپ نے انکار کیا نہ جنگ کی نوبت آئی اور نہ وزیر دانا نے صلح کرائی۔

صفحہ ۴ کا بقیہ

ذات نور پاک تھی اور میں حجاب ذات تھا
جلوۂ جانی پردۂ پندار اٹھ جانے میں تھا

پھلا پھولا گل داغ جگر ہے — سبیں آبیاری چشم تر ہے

نہ بت خانہ نشیمن ہے نہ کعبہ آشیاں میرا
تعین سے ہے بالا تر طلسم ہفت خواں میرا

گذر ہر صبح صادق تا در میخانہ ہو جائے
کہ شرف بیعت پیر مغاں روزانہ ہو جائے

دل ہمارا کہیں ملتا ہی نہیں — جیسے پہلو میں کبھی تھا ہی نہیں

سوز دل درد جگر کاہش جاں رنج فراق
سیکڑوں عشق میں یارب غم پنہاں نکلے

آگیا ہے ہاتھ دیوانوں کے داماں بہار — ہے گریباں چاک ہیں چاک گریباں بہار
خوش ہیں شیرانہ پریشانی تب گل سے ہم — ہو گئے نزدیک تر محبوب کی منزل سے ہم

اردو کو نظر انداز کیا گیا تو ملک کا کلچر کمزور پڑ جائے گا

لکھنؤ۔ گورنر یوپی شری گوپالا ریڈی نے لکھنؤ یونیورسٹی کی اردو فارسی سوسائٹی کے افتتاح اور شاہ ایران کی تاج پوشی کی تقریب کے سلسلے میں ہونے والے ایک اجتماع میں کہا کہ اگر اردو کو ہندوستان میں نظر انداز کیا گیا تو اس ملک کا کلچر کمزور ہو جائے گا۔

انھوں نے کہا کہ اردو ہندوستان کی زبان ہے اگرچہ اس کا اپنا کوئی علاقہ نہیں ہے لیکن کشمیر سے لے کر راس کماری تک بولی جاتی ہے انھوں نے کہا کہ اردو کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں اس لیے کہ اسلام اور اردو دو مختلف چیزیں ہیں۔ وہ لوگ جو اردو کو اسلام سے جوڑ دیتے ہیں غلطی پر ہیں کیونکہ دنیا کے دوسرے ممالک میں مذہب اسلام کے جو پیرو ہیں ان کی زبانیں مختلف ہیں اور جو اردو سے واقف بھی ہیں اس لیے اردو ہندوستان کی دیسی زبان ہے۔ اپنی اردو سے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ جب میں حیدرآباد میں جیل میں تھا تب اردو سیکھی اور سب سے پہلے مجھے مولانا ابوالکلام آزاد کی طرز تحریر نے متاثر کیا اس کے بعد مشاعروں میں شریک ہونے لگا چنانچہ نظم کا شوق پیدا ہوا۔ گورنر نے کہا کہ ۱۹۶۹ء میں غالب کی جو برسی ہونے والی ہے اس سلسلے میں ریاست کی تمام یونیورسٹیوں کے وائس چانسلروں کو لکھا ہے کہ وہ اس تقریب کو خاص طور سے منائیں۔ سوسائٹی کے صدر شاہ عبدالسلام فاروقی نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا اس کے بعد اردو فارسی کے شعبے کے صدر ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی نے شاہ ایران کی تاجپوشی کے سلسلے میں ایک تجویز پیش کی۔ آخر میں مقامی شعرا نے اپنا کلام سنایا۔ (قائد)

انجمن ترقی اردو سمرالہ (پنجاب) کا انتخاب

انجمن ترقی اردو شاخ سمرالہ (پنجاب) کا انتخابی اجلاس ضلع آرگنائزر کی نگرانی میں منعقد ہوا جس میں مندرجہ ذیل عہدیداران کا انتخاب بہ اتفاق رائے عمل میں آیا۔

صدر:۔ شری راجندر ناتھ اگروال
نائب صدر: وید رام
جنرل سکریٹری: شری اوم پرکاش مودگل
جائنٹ سکریٹری: کشمیرا سنگھ
خازن: ڈاکٹر گھنشیام سنگھ

ممبران ورکنگ کمیٹی: سردار جاگیر سنگھ، شری پریم چند، شری راجکمار شرما، ڈاکٹر امر سنگھ، حکیم رام سروپ۔

اجلاس ہذا میں ایک تجویز پاس کر کے انجمن ترقی اردو کی پنجاب ریاستی شاخ کو پیش کش کی گئی کہ وہ اپنا سالانہ اجلاس سمرالہ میں منعقد کرے۔ انجمن کی سمرالہ شاخ اجلاس کے تمام اخراجات برداشت کرے گی۔ (سودیش تویر)

اردو کو دوسری زبان کا درجہ دیا جائے

آگرہ۔ یوپی سنیکت سوشلسٹ پارٹی کی سالانہ کانفرنس نے ایک درجن سے زائد قراردادیں منظور کیں۔ ایک الگ قرارداد میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ اردو کو دوسری زبان کی حیثیت دی جائے سرکاری نوٹس وغیرہ اس زبان میں شائع کیے جائیں اور اردو کی پڑھائی کا بندوبست کیا جائے۔ (سیاست)

نئے ہماچل میں دوسری زبان اردو پڑھائی جائے

یکم نومبر سے اضلاع کانگڑہ بمعہ آدھی تحصیل اونہ، شملہ بمعہ تحصیل نالہ گڑھ، کلو اور لاہول سپیتی کے علاقہ جات پنجاب کی زبان کی بنیاد پر تقسیم ہونے کی وجہ سے غیر پنجابی بولی والے پہاڑی علاقہ جات ہماچل پردیش کے ساتھ ملائے گئے ہیں۔ پرانے ہماچل پردیش میں پہلی زبان ہندی اور دوسری اردو پڑھائی جا رہی ہے مگر ابھی تک نئے ہماچل کے علاقہ جات میں پہلی زبان ہندی اور دوسری زبان کے طور پر پنجابی زبان پڑھائی جا رہی ہے لہٰذا ہماچل سرکار سے پہاڑی زبان ویکلی علی گڑھ کے ذریعہ اپیل کی جاتی ہے کہ نئے ہماچل پردیش کے علاقہ جات میں دوسری زبان اردو فوری لاگو کی جائے۔ ان علاقہ جات میں اردو کی مقبولیت کا یہ حال ہے کہ ورناکیولر زبانوں میں اخبارات سب سے زیادہ اردو ہی کے بکتے ہیں جبکہ ان علاقہ جات میں پنجابی اخبار بمشکل ہی نظر آتا ہے۔ پھر ان علاقہ جات کی بولی پنجابی بھی نہیں ہے۔ یہ علاقہ جات ڈوگرہ فوجیوں کی زمین ہے جس کی وجہ سے سبھی اردو اسی طرح جانتے ہیں جس طرح ہندی جانتے ہیں۔ پھر اردو کا دائرہ بھی ملک میں وسیع ہے لہٰذا فوری طور پر اپریل ۱۹۶۷ء سے اردو پڑھانے کا انتظام کیا جائے۔

(پریتم پہاڑیا، سیہول بھوارنہ پالم پور۔ ہماچل)

ہم نہیں چاہتے کہ اردو کے ساتھ ناانصافی کر کے اس کے حامیوں کے اندر بے چینی پیدا کی جائے

لکھنؤ۔ آل انڈیا ریپبلکن پارٹی کی صوبائی شاخ اترپردیش کے سکریٹری ڈاکٹر گیا پرشاد نے اردو کے متعلق مندرجہ ذیل بیان دیا ہے۔

اردو کا سوال قطعی ایک زبان کا سوال ہے کسی خاص طبقہ کا نہیں زبان انسان کی پیدائش سے لے کر موت تک سماج، ادب اور ملک سے گہرا تعلق رکھتی ہے ہمیں ان زبانوں کی ہمیشہ ہی عزت کرنی چاہیے جو آزادی، مساوات، باہمی تعلقات اور بھائی چارہ کی ترقی میں مددگار ثابت ہوں۔ سائنس کے اس زمانہ میں اب کسی بھی زبان کو اس طرح نہیں ختم کیا جا سکتا جس طرح مہاتما گوتم بدھ کے زمانہ میں ٹکسلا اور نالندہ کی یونیورسٹیوں میں جمع شدہ لٹریچر کو جلا کر خاک

کر دیا گیا تھا۔ اردو کی توہین کرکے اور اس کے حامیوں پر تعصب کا الزام لگا کر اس کو فنا نہیں کیا جا سکتا۔

ہمارے ملک کی آزادی سے اردو ادب کا بہت گہرا تعلق رہا ہے۔ کسی مذہب اور فرقہ کے مصنف، شاعر اور عام لوگوں نے اردو ادب میں جس انقلابی جذبات کو پیدا کرکے ہمیں آزادی کے لیے اکسایا اور جو پھانسی کے تختے پر چڑھتے چڑھتے بھی نہیں بھولی جا سکی۔ اسے آسانی سے بہلا کر نہیں بھلایا جا سکتا۔

ہم نہیں چاہتے کہ اردو کے ساتھ لاپروائی برت کر اور اس کی توہین کرکے اردو کے حامیوں کے اندر بے چینی پیدا کی جائے۔ ہندوستان کے آئین میں دوسری زبان کے ساتھ اردو زبان کو بھی فروغ و ترقی کا پورا موقع دیا گیا ہے اس لیے حکومت کا اولین فرض ہے کہ اس کو کسی موقع پر پس پشت نہ ڈالے اور اس کی ترقی کے لیے پوری آسانیاں فراہم کرے جب تک ری پبلکن پارٹی سرکار میں شامل ہے اس کام کے کرنے میں حکومت کی مدد کرے گی اگر ایسا نہ ہوا تو سرکار سے علیحدہ رہ کر اس فرض کو نبھانے کے لیے کسی بھی سرکار سے جد و جہد کرے گی۔ (سیاست)

فریدکوٹ (پنجاب) میں انجمن ترقی اردو کا قیام

فریدکوٹ (پنجاب) میں انجمن ترقی اردو کی شاخ قائم کرنے کے لیے شری ہرچند سنگھ کو آرگنائزر مقرر کیا گیا تھا۔ اب شری ہرچند سنگھ نے اطلاع دی ہے کہ فریدکوٹ میں انجمن کی شاخ قائم کر دی گئی ہے۔ رکنیت سازی کا کام مکمل ہو چکا ہے۔ کثیر تعداد میں مقامی اردو دوست انجمن کے ممبر بن چکے ہیں۔ عنقریب انتخابات عمل میں لانے کے لیے ممبران کا اجلاس طلب کیا جا رہا ہے۔ انجمن ترقی اردو کے ریاستی دفتر نے فریدکوٹ شاخ کے انتخابات کی نگرانی کے لیے ریاستی انجمن کے نائب صدر سردار اودے سنگھ شائق کو نامزد کیا ہے۔ (سورج تنویر)

سرکاری زبان بل جلد از جلد منظور کیا جانا ضروری

مدراس۔ صدر کانگریس مسٹر کامراج نے اس بات پر زور دیا کہ سرکاری زبان بل جس میں آنجہانی وزیر اعظم مسٹر نہرو کی یقین دہانیوں کو قانونی شکل دی گئی ہو جلد منظور کیا جائے۔ اس یقین دہانی کا تعلق انگریزی کو ساتھی سرکاری زبان بنائے رکھنے سے تھا۔

مسٹر کامراج نیشنل اسٹوڈنٹ ال ڈولپمنٹ کونسل کے پہلے اجلاس کا افتتاح کر رہے تھے۔ موصوف نے کہا کہ بل کی منظوری کے بعد زبان کے سوال پر تمام بحث ختم ہو جائے گی۔ صدر کانگریس نے [illegible] کے لسانی فسادات کی طرف توجہ دلائی اور کہا کہ سرکاری زبان بل کا جلد از جلد منظور کیا جانا انتہائی ضروری ہے۔ (الجمعیۃ)

انجمن ملن جبل پور کی ادبی نشست

۲۲ر اکتوبر کو جبل پور میں مقامی ادبی و ثقافتی ادارے ملن کے اردو شعبے کے زیر اہتمام ایک ادبی نشست پروفیسر محمد حنیف انصاری کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ آغاز میں ملن کے معتمد اعلیٰ پروفیسر راجو ٹھاکر نے "ملن" کے اغراض و مقاصد بیان کرتے ہوئے کہا کہ اس بزم کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ ہندوستان کی مختلف زبانوں کے ادیبوں، شاعروں اور ادب سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کو خوشگوار فضا میں ایک دوسرے کی زبان و ادب سے متعلق معلومات حاصل کرنے کا موقع فراہم کیا جائے۔ ابھی تک ملن کی ادبی سرگرمیاں صرف ہندی ادب و زبان محدود تھیں لیکن اب ہم نے اردو شعبہ قائم کرکے اپنے عظیم اور مقدس مقصد کی جانب ایک اور قدم بڑھایا ہے۔

اس کے بعد جناب عبدالمتین صاحب نے ایک مقالہ پڑھا جس کا عنوان تھا "اردو شاعری کے ہندوستانی عناصر"۔

آخر میں پروفیسر محمد حنیف انصاری نے ملن کے مبارک اقدام کو سراہتے ہوئے کہا کہ آج جبکہ زبانوں کے معاملات کو مذہبی رنگ دے کر سیاسی مسئلہ بنا دیا گیا ہے ملن کے اس جرأت مندانہ مقصد کی جس قدر بھی تعریف کی جائے کم ہے۔

(عبدالحی انجم۔ کنوینر ملن شعبہ اردو)

ڈاکٹر رام منوہر لوہیا کو اردو کمیٹی کا خراج عقیدت

اردو کمیٹی کے جلسے میں جو ۱۲ر اکتوبر کو جناب سکندر علی وجد کی صدارت میں صابو صدیق ہال میں منعقد ہوا، ڈاکٹر رام منوہر لوہیا کے انتقال پر کرسی صدارت کی جانب سے حسب ذیل تجویز پیش کی گئی۔

"اردو کمیٹی کا یہ جلسہ ڈاکٹر رام منوہر لوہیا کے انتقال پر اپنے دلی حزن و ملال کا اظہار کرتا ہے موصوف نہ صرف یہ کہ ایک بڑے انقلابی اور ترقی پسند قائد تھے بلکہ ہندوستانی زبانوں کے حقوق کے ایک پُرجوش حامی کی حیثیت سے اردو کے حقوق کے بھی مخلص حامی تھے، اور انھیں کی ہدایت کے بموجب سمیکت سوشلسٹ پارٹی اردو کے حقوق کی حمایت کر رہی ہے۔ حامیان اردو ڈاکٹر لوہیا کے انتقال کو اپنی تحریک کے لیے ایک صدمۂ عظیم تصور کرتے ہیں۔"

حاضرین جلسہ نے کھڑے ہو کر اور ایک منٹ تک خاموش رہ کر اس تجویز کو اتفاق رائے سے منظور کیا۔

(سید محمد زیدی سکریٹری)

جامعہ ملیہ میں اردو کلب کا مشاعرہ

نئی دہلی۔ حال میں جامعہ ہائر سکنڈری اسکول میں "اردو کلب" کے زیر اہتمام ایک مشاعرہ جناب عطاء الرحمٰن صاحب عطا کاکوی کے زیر صدارت منعقد ہوا۔ اناؤنسر کے فرائض ناظم مجلس طلبا نے انجام دیے۔ آغاز مشاعرہ سے قبل جناب صدر نے اردو شعر و ادب پر ایک تقریر فرمائی۔

جامعہ ملیہ کے شعرا میں انور صدیقی، شفیق پریمی، محمد یوسف بابا، نظر برنی، بزمی بھارتی، سید احمد ولی، اقبال جامعی، نور محمد نور، امین عالم، راہی امروہوی، منیر الحسن، افضل اجملی، عبد المنان نجم۔ ہندی شعرا میں جے پال سنگھ ترنگ، شیام سروپ شرما کے علاوہ طلبا میں مختار احمد عثمانی اختر، شفیق احمد خاں شفیق اور عامر قدوائی عامر نے شرکت کی۔ جامعہ کے دیگر شعرا باہر تشریف لے جانے کی وجہ سے مشاعرے میں شرکت نہ فرما سکے۔

بیرونی شعرا میں ڈاکٹر غلام دستگیر رشید حیدرآباد یونیورسٹی، ڈاکٹر فضل الرحمٰن مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے علاوہ معزز مہمانوں کی حیثیت سے ڈاکٹر مسعود الحسن مدرسہ عالیہ کلکتہ، ڈاکٹر فضل رشید حیدرآباد یونیورسٹی، سید عابدین صاحب ریڈر دہلی یونیورسٹی نے شرکت فرمائی۔

(سید غضنفر حسین زیدی سکریٹری اردو کلب جامعہ)

انجمن ترقی اردو ودربھ کی شاخوں کے نام سرکلر

مرکز کے نئے قواعد کے تحت پرائمری اور ضلعی انجمنوں کی شاخوں کے نئے انتخابات گذشتہ جنوری تک ہو جانے چاہیے تھے اس سلسلے میں ودربھ کی شاخوں کو ضروری ہدایات بھی کی گئی تھیں لیکن افسوس ہے کہ کسی شاخ نے توجہ نہیں فرمائی۔

اب عام اطلاع کے ذریعہ ودربھ کی تمام شاخوں کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ ۳۱ر دسمبر ۶۷ء تک نئے قواعد کے تحت ممبر سازی کر کے باقاعدہ شاخیں تشکیل دے دیں اور پھر ضلعی شاخوں کا قیام عمل میں لے آئیں تاکہ علاقائی انجمن بنانے میں آسانی ہو۔

ودربھ کے حامیان اردو نے ہمیشہ اپنی زندگی کا ثبوت دیا ہے، وہ کبھی بھی اردو کے بقا و تحفظ کے سلسلے میں پیچھے نہیں رہے اس لیے مجھے پوری امید ہے کہ ودربھ کے حامیان اردو بالخصوص نوجوان اپنی تنظیم کے سلسلے میں ایک بار پھر پورے جوش و خروش کا ثبوت دیں گے اور ۳۱ر دسمبر ۶۷ کے پہلے پرائمری اور ضلعی شاخیں قائم کر کے علاقائی انجمن کے قیام میں مدد فرمائیں گے۔

تجویز ہے کہ جنوری ۶۸ء میں ودربھ اردو کانفرنس طلب کی جائے جس میں ودربھ کی علاقائی انجمن کا قیام عمل میں لایا جائے اور علاقے میں اردو کے تحفظ و بقا کے لیے کوئی ٹھوس لائحہ عمل تیار کیا جائے لیکن یہ سب اسی وقت ممکن اور مناسب ہوگا جب علاقے کے ہر شہر، دیہات، اور قصبے میں انجمن کی شاخیں بن جائیں اور ضلعی شاخوں کا قیام عمل میں آ جائے۔

امید ہے کہ انجمن کی موجودہ شاخیں اس مسئلے پر غور فرمائیں گی اور جلد از جلد عملی اقدام کریں گی۔

فیض انصاری سکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند) علاقہ ودربھ، کامٹی۔ پتہ: دفتر ماہنامہ خیال، کامٹی

پنجاب کے تمام اسکولوں اور کالجوں میں پنجابی ذریعہ تعلیم ہوگی

لدھیانہ۔ پوری ریاست میں تمام اسکولوں اور کالجوں کے اندر پنجابی ذریعہ تعلیم ہوگی۔ اس امر کا اعلان چیف منسٹر نے کیا ہے۔ موصوف پنجاب ساہتیہ اکاڈمی کی جانب سے منعقد کردہ ایک جلسہ کو خطاب کر رہے تھے۔ موصوف نے کہا کہ نیم سرکاری اداروں اور لوکل باڈیوں سے حکومت درخواست کرے گی کہ وہ پنجابی میں سرکاری خط و کتابت کیا کریں۔ موصوف نے کہا کہ جہاں تک ہو سکے تمام کام پنجابی میں ہونے چاہئیں۔ (الجمعیۃ)

اسلامیہ کریمیہ ڈگری کالج کے شعبۂ فارسی کے زیر اہتمام جلسہ

اندور۔ آریہ مہر شہنشاہ ایران کے جشن تاجپوشی کے موقع پر یہاں شعبہ فارسی اسلامیہ کریمیہ ڈگری کالج کے زیر اہتمام جلسۂ تبریک و تہنیت منعقد ہوا جس میں فارسی کے اساتذہ اور طلبہ کے علاوہ فارسی زبان و ادب اور ایرانی تہذیب و ثقافت سے دلچسپی رکھنے والے عمائدین و اکابرین شہر نے شرکت فرمائی۔ جلسہ کا آغاز ایک نظم "ہو مبارک تاجپوشی شاہ ایران آپ کو" سے ہوا۔ اس کے بعد پروفیسر عادل جعفری صدر شعبۂ فارسی نے ایک نہایت تاثر انگیز تقریر شہنشاہ ایران کے کارناموں پر کی۔

(حاتم علوی سکریٹری)

انجمن ترقی اردو شاخ بنیاپوکھر (کلکتہ) کا جلسہ

حال میں "جنگ کی تباہ کاریاں" کے زیر عنوان انجمن نے مضمون نویسی کا ایک کلکتہ انٹر اسکول مقابلہ کرایا۔ جس میں اسلامیہ ہائر سکنڈری اسکول کے محمود عالم اور شفیق الرحمٰن کو اول و دوم بالترتیب انعام ملے اس مقابلہ میں انجمن گرلس ہائی اسکول کی طالبہ شہود نکہت کو تیسرا انعام ملا۔

گذشتہ ۱۷ر اکتوبر کو انجمن کے زیر اہتمام یوم سرسید بھی منایا گیا جس میں سرسید کو خراج عقیدت پیش کیا گیا۔

(ادریس انور جنرل سکریٹری)

تبصرہ

محمد انصار اللہ

مختصر حالات زندگی اور مختصر کلام بخشی ہند شیخ شرف الدین حضرت بو علی شاہ قلندر پانی پتی

از گلچیں کرنالی

شائع کردہ: اردو مشن ملتان

چھوٹے سائز پر چالیس صفحہ کا یہ ایک مختصر کتابچہ ہے۔ شروع کے چار صفحوں پر سرورق، انتساب اور تعارفی نوٹ اور آخری چار صفحوں پر گلچیں صاحب کی ایک کتاب "آداب اردو" کی کچھ خاص سرخیاں چھپی ہیں۔ یوں اصل کتابچہ بتیس صفحہ کا ہے، موضوع نام سے ظاہر ہے۔

مصنف نے قلندر صاحب کے حالات میں لکھا ہے:

"حضرت قلندر صاحب کی بہت سی تصانیف ہیں جن میں کئی مطبوعہ ہیں" (ص ۹)

اور "حضرت قلندر صاحب کے خطوط بھی بہت مشہور ہیں" (ص ۱۰)

لیکن افسوس ہے کہ کتابچہ میں غالباً نہ ایسے اہم ماخذ سے مدد لی گئی ہے، نہ ان کے حوالے دیے گئے ہیں اور نہ ان کا تعارف ہی کرانے کی زحمت کی گئی، البتہ ایسی کئی باتیں ملتی ہیں جن کا موضوع سے مشکل ہی سے تعلق ہے۔ مثلاً یہ عنوانات:-

واعظ اور قوال

اہل باطن اور کشف و کرامت

قوالیا اور حالی لوگ

جوتیوں کی رمز

قلندر صاحب کے حالات سات اور ان کا کلام زیادہ سے زیادہ بارہ صفحات میں سما گیا ہے، حالات اس طرح لکھے ہیں کہ ان کو پڑھنے کے بعد دل بے ساختہ گواہی دینے لگتا ہے کہ مصنف حضرت قلندر صاحب کا "نیازمند" ہے اور بس۔

کلام جو کچھ نقل کیا گیا ہے فارسی ہے اور یہ بھی کتابت کی غلطیوں سے پاک نہیں۔ ہندی (اردو) کے صرف تین دوہے (شعر) لکھے ہیں۔ ان کے متعلق شاید یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ فی الواقع قلندر صاحب ہی کے ہیں، خصوصاً یہ شعر

پریتی ایسی کیجئے جیسے پنڈت بھیا نہ کرے
ایک اکچھر پریم کا پڑھے سو پنڈت ہوئے

اس میں لفظ 'بھیا' کی جگہ 'بھیو' چاہیے۔ یہ کبیر کا مشہور دوہا ہے۔

حکیم گلچیں صاحب کے بیان کے مطابق حضرت بو علی شاہ قلندر صاحب تصانیف بزرگ تھے، فارسی اور ہندی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے، ان کا زمانہ اتنا قدیم ہے کہ اس وقت کی ہر تحریر بعض لحاظ سے بہت اہم ثابت ہو سکتی ہے، ضرورت ہے کہ ایسے بزرگوں کی علمی اور ادبی خدمات کو بھی نمایاں کیا جائے پھر ان صوفی بزرگوں کے مخاطب تو اپنے اور بیگانے بھی تھے، مناسب ہے کہ ان کے حالات بھی اس طرح پیش کیے جائیں کہ ان سے وہ بھی متاثر ہو سکیں جو ان کے محض "نیازمند" نہیں ہیں۔

بہر حال ان حالات میں کہ قلندر صاحب کا کلام سوائے مثنوی کے دستیاب نہیں اور "جو کچھ میسر آیا" یہی ہے۔ گلچیں صاحب کا یہ جذبہ کہ اسے کتابچہ کی صورت میں ضبط کر کے محفوظ کر دیں قابل قدر ہے۔

کتابیں ملیں

(تبصرے کے لیے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

جدید غزل

مصنف۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی
ناشر۔ سرسید بک ڈپو، علی گڑھ
صفحات۔ ۱۲۸
قیمت۔ دو روپے ۵۰ پیسے

صاحب المثنوی

مولف۔ قاضی تلمذ حسین مرحوم
ناشر۔ دار المصنفین۔ اعظم گڑھ
قیمت۔ دس روپے

عہد مغلیہ مسلمان و ہندو مورخین کی نظر میں

مرتب۔ سید صباح الدین عبد الرحمٰن
جلد۔ اول
ناشر۔ دار المصنفین۔ اعظم گڑھ
قیمت۔ گیارہ روپے

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ، پرنٹر ظہیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھاپا اور پبلشر نذیر حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ سے شائع کیا